تحقید

جلد04، شمارہ01، جون2023

ڈاکٹر انور سجاد کی ناول نگاری میں طنزیہ و مزاحیہ عناصر

Dr. Anwar Sajjad's novelization in satirical and humorous elements

محمد دین پی ایچ۔ڈی۔اسکالر

ادارہ ادبیات اردو، اورینٹل کالج جامعہ پنجاب لاہور

ڈاکٹر زاہد منیر عامر

پروفیسر ادارہ ادبیات اردو، اورینٹل کالج جامعہ پنجاب لاہور

Muhammad Din, Phd Scholar

Oriental College Punjab University Lahore

Dr. Zahid Muneer Amir

Oriental College Punjab University Lahore

p ISSN: 2789-4169

e ISSN :2789-6331

Received: 15-5-2023

Accepted:

Online:

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: Dr. Anwar Sajjad, a renowned name in Urdu Fiction, writes on themes such as the intellectual chaos, the complicated lifestyles, materialistic approach, capitalist exploitation, negative attitudes related to gender and the downfall of values and civilization of modern man. He, being a very sensitive artist, first observed and then tried to expose the driving factors behind the aforementioned elements involving his reader into the experiment. Despite adopting a mostly symbolic style, scattered elements of humor and satire are found throughout his work, but of course we can find the former in greater force than the latter. The Article under discussion analyses the above-mentioned elements.

Keywords: Anwar Sajjad, Fiction, Novel, Humor, Satire, and Elements

etc.

کلیدی الفاظ: ڈاکٹر انور سجاد، افسانوی ادب، ناول، طنز و مزاح، اقدار، جائزہ اور عناصر وغیرہ۔

علامتی افسانے اور ناول کی دنیا میں انور سجاد کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ افسانوی مجموعوں میں ''پہلی کہانیاں''، ''چوراہا''، ''استعارے'' اور ''آج'' شامل ہیں۔ ناول اور ناولٹ میں ''خوشیوں کا باغ''، ''جنم روپ'' اور ''رگِ سنگ'' ان کے خوب صورت تخلیقی اظہاریے ہیں۔ وہ اپنی تخلیقی دنیا میں جس تنوع کو پیش کرتے ہیں اور جس ادبی رجحان کو سامنے لے کر آتے ہیں وہی رجحان کم و بیش فرق کے ساتھ جدیدیت کا لازمی جزو قرار پاتا ہے۔ ساٹھ کی دہائی میں افسانے اور ڈرامے کے منظر نامے پر تیزی سے اُبھرے لیکن اپنے نظریے اور اُسلوب کو ناقدین کی پروا کیے بغیر جاری و ساری رکھا۔ دورِ جدید کے انسان کے فکری انتشار، پےچیدہ طرزِ زندگی، سرمایہ دارانہ استحصالی حربوں کے تحت پروان چڑھنے والی معیشتیں اور ان کے ثمرات جیسے موضوعات کو علامتی انداز میں جس کامیابی سے انور سجاد نے برتا ہے اس کی مثال شاذ ہی ملتی ہے۔ رقص، موسیقی، مصوری، شاعری، عالمی ادب سے منسلک مرقعے ہیں جو اُن کی تخلیقات میں جا بجا بکھرے ہوئے ہیں۔ یہی بات اُن کی ناول نگاری کے بارے میں بھی کی جاسکتی ہیں۔ وہ اپنے ناولوں میں مختلف تکنیک استعمال کرتے ہیں۔ کہیں اُن کے بیانیے کا انداز ایک ہمہ دان راوی کا ہے تو کہیں شاعرانہ خود کلامی کا اور پیش کش، وہ دونوں حربوں کو فنکارانہ چابک دستی سے برتتے ہیں۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان ناول کے اس پہلو کے بارے لکھا ہے کہ ان کے یہاں مونتاژ کی تکنیک کے ساتھ ساتھ رمزیہ، استعاراتی، علامتی پیٹرن اور خود کلامیوں کا ملغوبہ ملتا ہے۔ ان کی زبان بھی شاعری سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے لیکن چوں کہ واقعات کی کمی، خیال و فکر کی کارفرمائی، مدھم ترین ایکشن (عمل) اور تبصروں اور بیانات کی فراوانی پائی جاتی ہے جس سے ان کے اُسلوب سے دل چسپی کا عنصر خارج ہو گیا ہے، یہ انشائیہ نما ہونے کا دھوکا دیتا ہے۔(۱) زیرِ نظر مضمون میں دو ناولوں ''خوشیوں کا باغ'' اور ''جنم روپ'' کا مطالعہ اس طور کیا گیا ہے کہ ان میں موجود طنزیہ و مزاحیہ عناصر کا جائزہ لیا جاسکے۔

اول الذکر ناول ''خوشیوں کا باغ'' کا عنوان پندرھویں صدی کے ایک نام ور ولندیزی مصور بوش Hieronymus Bosch کے Garden of Earthly Delights سے مستعار لیا گیا ہے۔ اس کی علامتی مصوری، آرٹ کی دنیا میں آج بھی ایک استعجابی کیفیت رکھتی ہے۔ سرئیلزم سے جڑی بہت سی تفصیلات کو انھوں نے حیرت انگیز تخلیقی شعور کے ساتھ پیش کیا ہے۔ دورِ حاضر کے انسان کے لیے بوش کی مصوری زیادہ معنی خیز اور سہل الفہم ہو گئی ہے کیوں کہ دونوں کے ہاں مشترک کرب ملتا ہے۔ اس کی بہت ساری تصویریں عیسائی مذہب کی مروجہ رسم و روایات کو بھی موضوع بناتی ہے۔ لیکن اس ناول کے مصنف نے اس عیسائی مصور کی تخلیقات کو اپنے ذاتی تناظر میں

سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اس ضمن میں انور سجاد نے الطاف قریشی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ ”میرے ناول کا بوش کے عیسائی پنے سے کوئی تعلق نہیں اسی لیے تو میں نے ناول کا ابتدائیہ لکھا ورنہ اس کی ضرورت تو نہیں تھی۔“(۲) ڈاکٹر تمکین طارق اس ناول کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”خوشیوں کا باغ “ دراصل موجودہ دور کی زندگی کو پیش کرتا ہے۔ مصنف نے اسے تیسری دنیا کے نام سے منسوب کیا ہے۔ یہ ایسی دنیا ہے جہاں رشتوں اور پاک جذبوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ بلکہ شان و شوکت اور دکھاوے ہی کو سب کچھ سمجھا جاتا ہے۔ یہ وہ دنیا ہے جہاں انسان کے دل میں پیار اور خلوص کی جگہ روپے اور پیسے کی جھنکار نے لے رکھی ہے۔ وہ اس ناکارہ جدید معاشرے کو ہی زندگی سمجھ بیٹھا ہے۔“(۳)

اس ناول کے ماجرے اور بیانیے کا زیادہ تر تعلق دور جدید کے انسان کی حسیاتی دنیا سے ہے۔ ماضی کے مقابلے میں دورِ حاضر کی دنیا کا باسی جب اپنے آس پاس نظر دوڑاتا ہے تو اس کا واسطہ سماجی و معاشرتی ناہمواریوں سے پڑتا ہے ۔وہ دیکھتا ہے کہ یہاں بالادست طبقات عام انسانی گروہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ اس کے لیے قانونی تقاضے بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔ مصنف کا یہ لکھنا کہ ”قانون اس کی حفاظت کرتا ہے جس کے قبضے میں دنیا ہے۔ قانون کا مقصد کبھی بھی یہ نہ تھا کہ اس سے انصاف کا کام لیا جائے۔“(۴) مصنف ناول کے پیرایے میں بھی یہی حقیقت بیان کرتا ہے کہ یہاں چھوٹے چور کو نشان عبرت بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اور بڑے چور کو ہر طرح کا تحفظ فراہم کیا جاتا ہے۔ آمرانہ دور حکومت میں کرپشن کے خلاف بھی جہاد کا اعلان کیا گیا ہے۔ معاشرے کو بدعنوانی سے پاک کرنے کے لیے جن بھونڈے طریقوں کو اپنایا جا رہا ہے، مصنف نے ایک رپورٹر کی زبانی اس صورت حال پر اس طرح طنز کیا ہے کہ ایک مضحک صورت بھی پیدا ہو گئی ہے۔ اقتباس دیکھیے:

> ”صندل نگر: ۱۹ جون (اسٹاف روپورٹر) آج یہاں رشوت کے الزام میں ایک کانسٹیبل کو چالیس کوڑے مارے گئے۔ یاد رہے کہ اس کانسٹیبل کو پچھلے ہفتے ایک مقامی سر سری عدالت نے پانچ روپے رشوت لینے کے جرم میں ایک سال قید بامشقت اور چالیس کوڑوں کی سزا سنائی تھی۔ مقامی اسٹیڈیم تماشائیوں سے کھچا کھچ بھرا تھا۔ ایک تخمینے کے مطابق چالیس ہزار افراد نے عبرت حاصل کی جن میں مقامی حکام کے علاوہ معززین شہر بھی شامل ہیں۔ غیر سرکاری حلقوں کے حوالے سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ اس سزا کی سہولت فی الحال گریڈ چار تک کے ملازمین کے لیے ہو گی۔“(۵)

ترقی پذیر ممالک میں بدعنوانی کا مسئلہ ہمیشہ سے ایک ناسور کی شکل میں موجود رہا ہے۔ اس کے سدِ باب کے لیے کی جانے والی کوششیں عموماً ناکافی ثابت ہوتی ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہی ہوتی ہے کہ اس قسم کی تحریک کا دائرہ کار ایک خاص سطح سے اوپر نہیں اُٹھ پاتا۔ لے دے کے وہی ادنیٰ ملازم اور بنیادی ضروریات کی فراہمی کے لیے دو چار روپے کی کرپشن کرنے والے اس کا نشانہ بنتے ہیں۔ لاکھوں کروڑوں ہڑپ کرنے والے اس کی دست بُرد سے محفوظ رہتے ہیں۔ مندرجہ بالا اقتباس میں بھی مصنف نے ایسی ہی صورت حال پر بلیغ طنز کیا ہے۔ طنز کی بہت سی مثالیں ناول کے ماجرے میں جابجا بکھری ہوئی ہیں۔ شمیم حنفی کی یہ رائے بجا ہے کہ انور سجاد کا یہ ناول ایک گہرے اور پُرکار سماجی طنز کی حیثیت رکھتا ہے۔(۶)

اس ناول میں ازدواجی زندگی کے بھی متعدد رخ بکھرے ہوئے ملتے ہیں۔ معاشرتی زندگی کا یہ پہلو بھی بھر پور تنوع رکھتا ہے۔ گھرداری سنبھالنے والی خواتین کے عمومی رویے مختلف روپ میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ مثال کے طور پر اس ناول کا مرکزی کردار جیل میں ہے اس کی بیوی ملاقات کے لیے آئی ہے۔ آگے کے واقعات کی مضحک تصویر کشی مصنف کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

> "میری بیوی میرے لیے پھل، سگریٹ، کھانے کے علاوہ سویوں کی کھیر بھی لاتی ہے۔ جاتی مرتبہ وہ چھٹی بار کہتی ہے: دیکھنا برتن کہیں کھو نہ دینا۔ خدا معلوم عورتیں اپنے برتنوں کے معاملے میں اتنی جذباتی کیوں ہوتی ہیں۔(۷)

اردو ادب میں مزاحیہ ناولوں کی روایت مستحکم نہ ہو سکی۔ جزوی طور پر کچھ ناول ایسے ملتے ہیں جن میں مزاح کے مختلف حربوں کا استعمال ملتا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ڈاکٹر انور سجاد عام طور پر ناول میں جس قسم کی پُرآشوب انسانی زندگی کا احاطہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہاں یہ جزوی طور پر ہی موجود ہو سکتا ہے۔ اس زاویے سے دیکھیں تو انور سجاد کی تمام تر علامتی تصویر کشی اور سنجیدگی کے باوصف کچھ ایسے جملے بھی مل جاتے ہیں جنھیں پڑھ کر قاری زیرِ لب مسکرا دیتا ہے۔ مثلاً:

> "پیغمبروں، انسان دوست فلسفیوں، شاعروں، ادیبوں نے ایسی دنیا کا تصور دیا ہے کہ جو بالآخر انسان کی جدوجہد سے حقیقت بن جائے گا۔ اور دنیا سے تمام دکھ درد، رنج و غم مٹ جائیں گے۔ لیکن ناکام عاشق کا رنج و غم؟ دکھ درد؟"(۸)

مزاح کی ان مثالوں کے علاوہ کچھ ایسے طنزیہ جواہر ریزے بھی ان کے ہاں ملتے ہیں جن کی وساطت سے ناول کے قاری کے لیے کچھ نئے سوالات بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ وہ اس بدلتی ہوئی دنیا کو ایک نئے رُخ سے دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ متوازی طور پر وقوع پذیر ہونے والی ترقی اپنے مضمرات کے ساتھ جب سامنے آتی ہے تو قاری ایک لمحے کے چونک پڑتا ہے اور مصنف کے مشاہدے کی گہرائی کی داد دینا پڑتی ہے۔ زیر مطالعہ ناول میں جابجا ایسے جملے پڑھنے کو ملتے ہیں۔ نمونے کے طور پر مندرجہ ذیل مختصر اقتباسات دیکھیے:

> ''سڑک کی دوسری طرف ریستوران سے باہر لگے اسٹیر یو سپیکروں سے آتی موسیقی محیط ہو جاتی ہے۔ میں الیکٹرانک ساؤنڈ سسٹم اور اعصابی سکون کی گولیوں کی ایجاد پر غور کرتا سوچتا ہوں۔۔۔''(۹)

> ''اس کی دہقانیت جگہ جگہ اپنا رنگ چھوڑ چکی ہے۔ افلاس سے بہتر بلیچنگ ایجنٹ کوئی نہیں۔ بھوک نے اسے عجیب مسخرے میں تراش دیا ہے۔''(۱۰)

> ''خدا سب کا رازق ہے جو رزق کو محنت کے پھل کی شکل میں دیتا ہے۔ حلال کے رزق میں بڑی برکت ہے، اگرچہ حرام کا رزق بھی اپنی برکتیں رکھتا ہے جو خدا کو پسند نہیں۔''(۱۱)

''خوشیوں کا باغ'' میں وہ زندگی کے کرب انگیز لمحات اور دنیا میں آزادی کی جدوجہد اور تعفن زدہ مسائل کی تصویر کشی کرتا ہے۔ وہ ایک نئے آدمی اور نئے دور کی طرف لے کر جانا چاہتا ہے۔(۱۲) علامتی حوالے سے شہرت کا حامل یہ ناول انور سجاد کے مطالعے کی وسعت کے ساتھ ساتھ مصوری کی تفہیم کا بھی احاطہ کرتا ہے۔ دراصل انور سجاد نے اپنی مخصوص تکنیک سے جو اُسلوب بنایا ہے وہ آج کے قاری سے اپنی ذہنی سطح بلند کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔(۱۳) اس ناول کے اب تک متعدد اڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ جو اس بات کے شاہد ہیں کہ انور سجاد کے اس ناول میں علامت ابھی ثقالت کے اس درجے پر فائز نہیں ہوئی جہاں ایسی تخلیق قاری کی پذیرائی سے محروم ہو جاتی ہے۔ ہئیت، تکنیک اور اسلوب کا نیا پن اس ناول میں بہر حال موجود ہے۔ اسی بنا پر اُردو ناول کا مورخ اسے نظر انداز کر کے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

''جنم روپ'' ڈاکٹر انور سجاد کا دوسرا ناول ہے۔ اس ناول کی تکنیک میں ناول کی پیش کش کے مروجہ کلاسیکی پیمانے ٹوٹتے ہوئے ہیں۔ یہاں خاص قسم کا مستقیم پلاٹ اور روایتی کردار نگاری کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح کی خود کلامی ہے جو سارے ناول کے ماجرے پر چھائی ہوئی ملتی ہے۔ یہ خود کلامی دور جدید کے انسان کے اندر کا وہ کرب ہے جو اسے اندر ہی اندر گھلائے جا رہا ہے یہ کرب کبھی صدیق سالک کے ہاں پریشر کُکر کی صورت میں ظاہر

ہوتا ہے تو کبھی انور سجاد کے قلم سے "جنم روپ" نام پاتا ہے۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خان ڈاکٹر انور سجاد کی ناول نگاری، اُن کی تکنیک اور اُن کے موضوعات کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان کے یہاں مونتاژ کی تکنیک کے ساتھ ساتھ رمزیہ، استعاراتی، علامتی پیٹرن اور خود کلامیوں کا ملغوبہ ملتا ہے۔ ان کی زبان بھی شاعری سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے لیکن چوں کہ واقعات کی کمی، خیال و فکر کی کار فرمائی، مدھم ترین ایکشن (عمل) اور تبصروں اور بیانات کی فراوانی پائی جاتی ہے جس سے ان کے اُسلوب سے دل چسپی کا عنصر خارج ہو گیا ہے، یہ انشائیہ نما ہونے کا دھوکا دیتا ہے۔"(۱۴)

دور جدید کے انسان نے مادی ترقی کی وہ کار فرمائیاں دیکھی ہیں جو ماضی میں ناپید تھیں۔ انسانی استحصال تو شاید ازل سے چلا آرہا ہے لیکن صنعتی انقلاب اور سرمایہ دارانہ ذہنیت نے اس کی شدت کو دوچند کر دیا ہے۔ دور حاضر کا انسان، چکی کے ان دو پاٹوں کے درمیان پس کر رہ گیا ہے، وہ کرے تو کیا کرے، وہ جائے تو کہاں جائے۔ زندگی کے ایسے رخ پر مصنف کے ہاں طنز کا پہلو زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے:

"بن باس کی تمنا اچھی نہیں ہوتی اپنی نگری چھوڑو تو دوسری نگریوں کے کتے کاٹ کھاتے ہیں لیکن میں کس بستی کو اپنا کہوں کرفیو کا احترام کرنے والے اگر سٹین گنوں سے بچ نکلیں تو گوشت خور پودوں لگڑبگوں اور بیوروکریٹس کی خوراک بن جاتے ہیں۔"(۱۵)

ناول نگار کی حساسیت اپنی جگہ لیکن مذکورہ بالا استحصال سے زندگی کا کوئی شعبہ محفوظ نہیں ہے۔ یہ استحصالی جبر سرطان کی طرح ہر فرد کو نشانہ بنائے ہوئے ہے:

"عورتیں، مرد، بچے، طلبا، طالبات، گرہستنیں، دفتروں کی سیکرٹریاں، کلرک، ٹیلی فون آپریٹر، سکول ٹیچر، پروفیسر، عالم، صوفی، ملنگ، شاعر، جابر حاکموں کا عذاب اپنی پُشت پر لیے ،زندگی سے پھاڑے گئے۔"(۱۶)

انسانی زندگی میں جبر کی یہ کیفیت حاکمان وقت کی پیدا کردہ ہے تو کبھی وہ نام نہاد نظریات کی بھینٹ چڑھتے ہیں۔ "جنم روپ" میں اسی استحصال اور جبر کی کسک نمایاں ہے۔ یہی وجہ ہے اس ناول میں مزاح کی سرے سے کوئی گنجائش نہیں نکلتی البتہ طنز کی نشتر زنی ناول میں جا بجا موجود ہے۔ بنی نوع انسان کا یہ کرب مصنف کے ہاں مختلف پہلوؤں سے سامنے آتا ہے۔ وہ تاریخ کے تسلسل میں اس کی کھوج لگاتے ہیں اور دور حاضر کے انسان کو بھی اسی جبر و

استحصال کا گزیدہ دکھاتے ہیں۔ ذیل میں ایک اقتباس دیکھیے کہ مصنف نے کس طرح چند جملوں میں کتنی تلخ حقیقت بیان کی ہے:

> ”زمان و مکان سے پرے، وہ پہلے ہی جانتے ہیں کہ جابر صدیوں کا لہو، گوشت پوست، ہڈیاں ایک ہی ہیں۔ تو کیا فرعون و نمرود ہی نہ تھے جنھوں نے اپنی رعایا کے ایمان کو ٹھوکروں سے اُڑا کر چاند اور سورج کو اپنے ساتھ ہوس پرست اور شہوت کی زنجیر سے باندھا تھا؟ تو پھر گھوڑ سواری کے بوٹ پہنے، اعلیٰ گھوڑیوں پر سوار، پیٹ کی گولائی کے گرد قوسیں بنی ٹانگوں والی صدیوں کو کیا شرم کہ وہ بھی تو ان ہی کے نطفوں سے ہیں۔
>
> زمان و مکان سے پرے، وہ پہلے ہی جانتے ہیں کہ غلاموں لونڈیوں کا لہو، گوشت پوست، ہڈیاں ایک ہی ہیں۔“(۱۷)

ڈاکٹر انور سجاد نے ”مونولاگ“ کی صورت میں خارجی استحصال کے ساتھ ساتھ عورت کا بطور عورت کیے جانے والے استحصال کو موضوع بنایا ہے۔ بلکہ یہی موضوع اس ناول کا مرکزی موضوع قرار پاتا ہے۔ ڈاکٹر ممتاز احمد نے اس ناول کے حوالے سے بجا لکھا ہے کہ یہ ناول عورت کے مقدرات پر بات کرتا ہے۔ ان کے نزدیک مظلوم عورت کو اس کی موجودہ سطح سے بلند کرنا ضروری ہے۔(۱۸) ڈاکٹر انور سجاد کے مذکورہ بالا ناولوں کے مطالعے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ان کے ہاں میں مزاح کی لہریں بہت دھیمی ہیں جب کہ طنزیہ اظہار میں ان کی علامتیں بھی بذات خود اسی پیرائے میں ڈھلتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ وہ جا بجا ایک ماہر جراح کی طرح معاشرے کے رستے ہوئے ناسوروں پہ نشتر زنی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

حوالہ جات:

(۱) ممتاز احمد خان، ڈاکٹر۔ آزادی کے بعد اُردو ناول۔ کراچی: انجمن ترقی اردو، ۲۰۰۸ء، ص ۱۲۰
(۲) الطاف احمد، قریشی۔ ادبی مکالمات۔ لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۴ء، ص ۲۲۰
(۳) تمکین طارق۔ جدید اُردو ناول تنقید و تجزیہ۔ سری نگر: میزان پبلشرز، س۔ن، ص ۹۴
(۴) انور سجاد۔ خوشیوں کا باغ۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص ۲۵
(۵) انور سجاد۔ خوشیوں کا باغ۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص ۶۱
(۶) شمیم حنفی۔ اختتامیہ۔ خوشیوں کا باغ۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص ۱۸۲
(۷) انور سجاد۔ خوشیوں کا باغ۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص ۹۱

(۸)انور سجاد۔خوشیوں کا باغ۔لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۰ء، ص۱۰۰

(۹)انور سجاد۔خوشیوں کا باغ۔لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۰ء، ص۳۵

(۱۰)انور سجاد۔خوشیوں کا باغ۔لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۰ء، ص۶

(۱۱)انور سجاد۔خوشیوں کا باغ۔لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۰ء، ص۱۳۱

(۱۲)محمد اشرف کمال،ڈاکٹر۔اُردو ناول۔ تاریخ وارتقا۔ کراچی: رنگ ادب پبلی کیشنز۔۲۰۱۷ء، ص۲۹۹

(۱۳)ممتاز احمد، خان،ڈاکٹر۔اُردو ناول کے بدلتے تناظر۔لاہور:اُردو اکیڈمی پاکستان،۲۰۰۷ء، ص۲۱۷

(۱۴)ممتاز احمد خان،ڈاکٹر۔ آزادی کے بعد اُردو ناول۔ کراچی: انجمن ترقی اُردو،۲۰۰۸ء، ص۱۲۰

(۱۵)انور سجاد۔ جنم روپ۔لاہور: قوسین،۱۹۸۵ء، ص۸۸

(۱۶)انور سجاد۔ جنم روپ۔لاہور: قوسین،۱۹۸۵ء، ص۱۱۰

(۱۷)انور سجاد۔ جنم روپ۔لاہور: قوسین،۱۹۸۵ء، ص۱۳۶

(۱۸)ممتاز احمد خان،ڈاکٹر۔ آزادی کے بعد اُردو ناول۔ کراچی: انجمن ترقی اُردو،۲۰۰۸ء، ص۲۱۳